

انشورنس کے مجوزین اور ناقدین کے دلائل کا تحقیقی جائزہ

A Research Review of the Arguments of Insurance Proponents and Critics



*اسماء فقیر

**صاعقہ سلام

Abstract

"Insurance" which came into existence primarily under a righteous purpose and to meet a real need, was built and developed by hands and brains and some corruption entered into it which often led to The scholars came to the conclusion that it is haram, but some scholars are convinced of the validity of Jawan, they also consider it suspicious and far from the spirit of Islam and the basic mood and humor of the Shari'ah. This research article examines the arguments of insurance proponents and critics in detail

Kwywords: Insurance, Shari'ah, Islam, corruption, righteous purpose

کمرشل انشورنس کی تین صورتیں ہیں: لائف انشورنس، ذمہ داریوں کا انشورنس، املاک کا انشورنس، علماء کی ایک قلیل تعداد اس کو جائز قرار دیتی ہے، ان علماء میں مشہور فقیہ شیخ مصطفیٰ زر قاء، شیخ علی الخفیف اور ہندوستان کے اہل علم میں ڈاکٹر نجات اللہ صدیقی خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، لیکن عالم عرب اور ہندوپاک کے اکثر علماء نے اس کو ناجائز قرار دیا ہے۔

مجوزین کے دلائل

جن علماء نے انشورنس کی ان صورتوں کو جائز قرار دیا ہے، ان کی دلیل حسب ذیل ہے:

انشورنس ایک نوپید مسئلہ ہے، اس لئے کتاب و سنت میں نہ اس کی صراحتاً اجازت مل سکتی ہے، نہ ممانعت، ایسے معاملات میں دو اصول کام کرتے ہیں، ایک یہ کہ اس میں مصلحت کا پہلو ہو تو وہ جائز ہوگا ورنہ ناجائز، انشورنس میں مصلحت ہے، اس لئے اس کو جائز ہونا چاہیے۔ دوسرے جن امور کی بابت اجازت

*ویزٹنگ لیکچرر، شعبہ علوم اسلامیہ، باچا خان گرلز ڈگری کالج، پشاور

**ایم فل سکالر، شعبہ علوم اسلامیہ، قرطبہ یونیورسٹی، پشاور

یا ممانعت منقول نہ ہو، وہ اپنی اصل کے اعتبار سے مباح شمار کی جاتی ہیں "الأصل في الأشياء الاباحة"¹ لہذا اس قاعدہ کے تحت انشورنس کی صورتیں جائز ہوں گی۔

حدیث میں "عقد موالات" کی اجازت ملتی ہے² اس کی صورت یہ ہوتی ہے کہ کوئی شخص جب اسلام میں داخل ہوتا تو جس کے ہاتھ پر ایمان لاتا اس سے رشتہ "ولاء" قائم ہو جاتا، اگر ایک پر خون بہا واجب ہوتا تو دوسرا بھی اس کی ادائیگی میں شریک ہوتا، بعض صورتوں میں وراثت بھی جاری ہوئی، فقہاء حنفیہ نے بھی اس کو ایک عقد اور معاملہ کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔³ انشورنس بھی اپنی روح اور مقصد کے اعتبار سے اس سے بہت کچھ مشابہ ہے، گویا کمپنی اور پالیسی ہولڈر کے درمیان ایک طرح کا عقد ہوتا ہے کہ ناگہانی حالات میں وہ اس کی مدد کرے۔

یہ "کفالت" کی ایک صورت ہے، کمپنی پالیسی لینے والے کی کفالت قبول کرتی ہے، فرق اس قدر ہے کہ کفالت کے عام معاملات میں "کفیل" فرد واحد ہوتا ہے۔ اور یہاں افراد کی اجتماعی ہیئت کفالت قبول کر رہی ہے، جس کی حیثیت "شخص اعتباری" کی ہے۔

فقہاء متاخرین کے یہاں ایک جزیئہ ملتا ہے کہ کسی شخص نے راگیر کو راستے کی رہبری کرتے ہوئے کہا کہ اس راستے سے جاؤ، راستہ قابل اطمینان ہے، اگر نقصان ہوا تو میں ضامن ہوں، ایسی صورت میں راستے میں مال لوٹ لیا گیا تو فقہاء اس ضمانت قبول کرنے والے شخص کو اس کا ضامن قرار دیتے ہیں، اس کو کتب فقہیہ میں "ضمان خطر الطريق" سے تعبیر کیا گیا ہے۔⁴ انشورنس کمپنی کا معاملہ بھی ایک حد تک ایسا ہی ہے کہ اس راہ بتانے والے کی طرح یہ بھی ایک ایسے نقصان کی ضمانت قبول کر رہی ہے، جس کا واقع ہونا اور نہ ہونا اس کے دست اختیار میں نہیں ہے، لہذا اس کا ضامن بننا درست اور جائز ہوگا۔

ودیعت کے طور پر جو چیز رکھی جائے وہ اصل میں "امانت" ہوتی ہے، امانت کے سلسلہ میں اصول یہ ہے کہ اس کے ضائع ہو جانے پر کوئی تاوان واجب نہیں ہوتا، لیکن جس کے پاس امانت رکھی جائے اگر وہ سامان امانت کی حفاظت کی اجرت نے تو اب وہ اس کا ضامن قرار پائے گا۔⁵ انشورنس جائز قرار دینے والوں کا استدلال یہ ہے کہ جان و مال کے انشورنس کی صورت میں کمپنی نے اس کی حفاظت کا ذمہ لے لیا ہے، لہذا نقصان کی صورت میں کمپنی ذمہ دار ہوگی۔

فقہ کی کتابوں میں خرید و فروخت کی ایک خاص صورت "بیع بالوفاء" کہلاتی ہے۔ "بیع بالوفاء" سے مراد یہ ہے کہ اگر مقروض محسوس کرتا ہے کہ قرض دہندہ کچھ نفع کے بغیر قرض دینے کو تیار نہیں تو

جتنا قرض لینا مقصود ہوتا اتنے ہی رقم میں اپنا مکان اس سے اس شرط کے ساتھ فروخت کر دیتا کہ جب وہ قرض ادا کر دے اس کا مکان پھر اس کو واپس کر دیا جائے، اس طرح قرض دہندہ خریدار بن کر اتنے دنوں مقروض کے مکان سے فائدہ اٹھا سکے گا۔⁶ جو لوگ انشورنس کو جائز قرار دیتے ہیں ان کا خیال ہے کہ ”بیع بالوفاء“ کو بعض فقہاء نے تعادل اور رواج کی وجہ سے جائز قرار دیا ہے، حالانکہ یہ بالواسطہ طور پر ”ربوا“ کو جائز کرنے کی سعی ہے لہذا اسی پر قیاس کرتے ہوئے انشورنس کو بھی جائز قرار دیا جائے گو اس میں ”ربوا“ اور ”قمار“ کی صورت پائی جاتی ہو۔

انشورنس کا اصل مقصود ممکنہ خطرات سے تحفظ اور جانی و مالی نقصان کی صورت باہمی تعاون ہے، یہی انشورنس کی اصل روح ہے، اب اس کے ساتھ انشورنس کے مغربی نقشہ گردوں نے اس میں سود اور قمار کو بھی داخل کر دیا ہے تو گویا سود اور قمار اصل معاملہ سے خارج ہے، اس لئے اس کی وجہ سے خود انشورنس کو ناجائز نہیں کہا سکتا۔

مجوزین کے دلائل کا تحقیقی جائزہ

ذیل میں مجوزین کے دلائل کا تحقیقی جائزہ لیا جاتا ہے:

یہ صحیح ہے کہ جن مسائل کی بابت کتاب و سنت سے رہنمائی ملتی ہو، ان کی بابت ”مصلحت“ کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا جائے گا اور اشیاء کے اصل میں مباح و جائز ہونے کے قاعدہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو جائز تصور کیا جائے گا۔ مگر جو لوگ انشورنس کو ناجائز قرار دیتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ انشورنس کی کوئی صورت نہیں جو قمار سے خالی ہو، اور بعض صورتوں میں مزید برآں سود بھی موجود ہے اور یہ دونوں باتیں حرام ہیں بلکہ ان کی حرمت اور ممانعت نہایت تاکید و قوت کے ساتھ ثابت ہے، اس لئے یہ ان امور میں سے نہیں ہے جو کتاب و سنت کی رہبری سے خالی ہو کہ اس پر ”مصلحت“ اور ”اشیاء میں اصل اباحت ہے“ کا اطلاق ہو سکے۔

عقد موالات سے استدلال کئی وجوہ سے محل نظر ہے:

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ”موالات“ قدیم الاسلام لوگوں کے درمیان ہوا کرتا تھا، چنانچہ موالات کے ثبوت کے لئے جو حدیث پیش کیا جاتا ہے وہ اس طرح ہے کہ آپ اس سے دریافت کیا گیا۔

” مَا السُّنَّةُ فِي الرَّجُلِ يُسَلِّمُ عَلَيَّ يَدِي الرَّجُلِ مِنَ الْمُسْلِمِينَ، قَالَ:

«هُوَ أَوْلَى النَّاسِ بِمَحَبَّتِهِ وَمَمَاتِهِ»⁷

ترجمہ: ”جو شخص کسی مسلمان کے ہاتھ پر اسلام قبول کرے، اس کے سلسلہ میں شریعت کا کیا حکم ہے؟ فرمایا کہ زندگی اور موت میں وہ اس کا قریب ترین شخص ہے۔“

گویا حدیث کی رو سے ”موالات“ مسلمان سے ہو سکتا ہے نہ کہ غیر مسلم سے، مگر ظاہر ہے کہ انشورنس کمپنی صرف مسلمانوں مشتمل نہیں ہوتی بلکہ اکثریت غیر مسلموں کی ہوتی ہے۔

عام طور پر فقہاء و محدثین کا رجحان یہی ہے کہ یہ حکم اوائل اسلام کا ہے، اب یہ حکم باقی نہیں رہا، خود بعض فقہاء احناف نے بھی اس کو قبول کیا ہے⁸، اور قرآن سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے انصار مدینہ اور مہاجرین کے درمیان ”موالات“ اور بھائی چارے کا خصوصی رشتہ قائم فرمایا تھا اور یہ رشتہ محض اخلاقی نہیں تھا بلکہ قانونی بھی تھا، اس لئے یہ بات بعید از قیاس نہیں کہ اسلام کے ابتدائی دور میں نو مسلموں کا مکمل کرنے کی غرض سے اور سماج میں ان کو جذب کرنے کے منشاء کو سامنے رکھ کر آپ ﷺ نے اس طرح کے احکام دیئے ہوں، پھر جب احکام شریعت کی تکمیل ہوئی تو اس طرح کے عبوری احکام منسوخ کر دیئے گئے ہوں۔

فقہاء احناف نے گو اس کو اب بھی قابل عمل مانا ہے اور ”موالات“ کے لئے فریقین یا کسی ایک کے مسلمان ہونے کو ضروری قرار نہیں دیا ہے بلکہ اس معاملہ میں مسلمان اور مسلم ملک سے غیر مسلم شہری (ذمی) کو ایک ہی درجہ میں رکھا گیا ہے مگر شریعت میں اس کی حیثیت دراصل محض عقد اور معاملہ کی نہیں ہے بلکہ اس سے فریقین کے درمیان ایک طرح کی قرابت پیدا ہو جاتی ہے، اسی لئے فقہاء نے ”ولاء“ کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے:

”هوفي الشرع عبارة عن قرابة حاصلة بسبب العتق او بسبب الموالات له ترك“⁹

ترجمہ: ”وہ شریعت میں ایسی قرابت کا نام ہے جو آزاد کرنے یا موالات کے سبب حاصل ہوتی ہے۔“

اور اس لئے موالات صرف ناگہانی حالات میں ایک دوسرے کی مدد ہی کو واجب قرار نہیں دیتا بلکہ باہم رشتہ میراث بھی قائم کر دیتا ہے، حنفیہ لکھتے ہیں:

”فإن مات ولا وارث له غيره فميراثه للمولى“¹⁰

ترجمہ: ”پس اگر موت ہو اور اس کا کوئی وارث نہ ہو تو وہی مولیٰ اس کا وارث ہوگا“۔

اور یہی وجہ ہے کہ محدثین نے تمیم دارمیؒ کی مذکورہ روایت کو کتاب الفرائض (میراث کے بیان) میں جگہ دی ہے۔¹¹ ظاہر ہے کہ ایک ایسی بات پر جو شریعت میں ”قربت“ کا درجہ رکھتی ہو، کسی اور معاملہ کو قیاس کرنا صحیح نہیں ہو سکتا۔

اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ اس معاملہ کو بعینہ ”موالات“ قرار دیا جائے اس لئے کہ:

(الف) موالات کی گنجائش اس شخص کے لئے ہے جس کا زوجین کے سوا اور کوئی وارث نہ ہو۔¹²

(ب) موالات کا اثر صرف ”میراث“ اور ”دیت میں تعاون“ کی صورت ظاہر ہوتا ہے، دوسرے

حادثات سے اس کا کوئی تعلق نہیں انشورنس میں ظاہر ہے کہ یہ صورت حال نہیں ہے۔

کفالت کے سلسلہ میں حنفیہ کے یہاں جو اصول ہیں، اس لحاظ سے تو کئی امور میں انشورنس کا نظام اس سے بالکل مختلف ہے، حنفیہ کے یہاں کفالت کے لئے ضروری ہے کہ جس شخص کے حق کی حفاظت کے لئے کفالت قبول کی جائے وہ معلوم و متعین ہو مگر انشورنس کے نظام میں وہ معلوم و متعین نہیں ہوتا۔¹³ اسی طرح امام ابو حنیفہؒ و محمدؒ کے نزدیک صاحب حق کی طرف سے کفالت کو قبول کرنا بھی ضروری ہوتا ہے، جب ہی کفالت کا معاملہ وجود میں آتا ہے، اسی لئے احناف کفالت کے لئے بھی دوسرے معاملات کی طرح ایک مجلس میں ایجاب و قبول کو ضروری قرار دیتے ہیں۔¹⁴ انشورنس میں معاملہ طے پانے کے وقت صاحب حق کا وجود ہی نہیں ہوتا مگر یہ تفصیلات دوسرے فقہاء کے یہاں متفق علیہ نہیں ہیں، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک صاحب حق (کفول لہ) کا معلوم و معروف ہونا ضروری نہیں¹⁵ اسی طرح اس کا مجلس عقد میں موجود رہنا اور قبول کرنا عام فقہاء کے ہاں ضروری نہیں۔¹⁶

لیکن ایک شرط قریب قریب متفق علیہ ہے کہ ”کفالت بالمال“ کا تعلق ایسے حق مالی سے ہوتا ہے جو کسی کے ذمہ ثابت ہو، یہاں صورت حال یہ ہوتی ہے کہ انشورنس کی اکثر صورتوں میں پالیسی ہولڈر پر کسی شخص کا حق واجب نہیں ہوتا ہے جس کو کمپنی ادا کرتی ہے بلکہ خود اس کو جو نقصان پہنچتا ہے کبھی اس کی تلافی کرتی ہے، صرف گاڑیوں کے انشورنس میں کمپنی ”جنایت“ کے تحت جو تاوان گاڑی کے مالکان پر عائد ہوتا ہے، وہ اس کی طرف سے ادا کرتی ہے، تاہم یہ بھی ایسا حق و ذمہ نہیں ہوتا جو انشورنس کا

معاملہ طے پاتے وقت موجود ہو، حالانکہ ”کفالہ“ انہیں دیوان اور حقوق کا ہوتا ہے، جو معاملہ کرنے کے وقت ثابت اور موجود ہوں۔

”اجرت لے کر سامان امانت کی حفاظت“ والے مسئلہ پر بھی اس صورت کو قیاس کرنا صحیح نظر نہیں آتا، وہاں سامان خود ”امین“ کی نگہبانی اور قبضہ میں رہتا ہے اور اس کی حفاظت اور ضیاع میں اس شخص کی توجہ اور تغافل کو خاصا دخل ہے، یہاں جو سامان ایک جگہ سے دوسری جگہ بھیجا جا رہا ہے، یا دکان وغیرہ میں ہے، وہ انشورنس کمپنی کی تحویل اور قبضہ میں نہیں ہے اور نہ اس کی حفاظت وصیانت میں مناسب چوکسی اور توجہ یا غفلت و بے احتیاطی سے اس کا کوئی تعلق ہی ہے۔ اس لئے نہ کمپنی کے طرف سے اس کی ذمہ داری قبول کرنا صحیح ہے اور نہ سامان ضائع ہو جانے کی صورت میں اس کا تاوان وصول کرنا مبنی بر انصاف ہے۔

جہاں تک ”بیع بالوفاء“ کی بات ہے تو اول تو اس کے جائز ہونے ہی میں اختلاف ہے¹⁷ اور فقہاء کی رائے بھی یہی ہے کہ یہ سود کے لئے حیلہ ہے، اس لئے سد ذریعہ کے طور پر اس کو بھی ناجائز ہی قرار دیا جانا چاہیے، لیکن جن لوگوں نے جائز قرار دیا ہے ان کا منشاء بھی یہ ہے کہ یہ معاملہ اپنی ظاہری شکل اور ہیئت کے اعتبار سے محض خرید و فروخت کا ایک معاملہ ہے جس کو جائز ہونا چاہیے، ہاں معاملہ کرنے والوں کی نیت بالواسطہ قرض پر نفع حاصل کرنے کی ہے اور ہمارا کام معاملات میں اس کی ظاہری صورت پر حکم لگانے کا ہے، دلوں میں جھانک کر دیکھنا ہمارا کام نہیں۔ جو لوگ انشورنس کو منع کرتے ہیں، ان کا خیال ہے کہ انشورنس اپنی ظاہری صورت کے اعتبار سے ہی ”ربوا“ اور ”قمار“ ہے، پس اگر اس کا عرف و رواج ہو جائے جب بھی نصوص شرعیہ کی کھلی خلاف ورزی کی وجہ سے اس میں کوئی ہی نہیں برتی جاسکتی۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ یہ کہنا کہ انشورنس کا مقصد صالح ہے گو اس کے طریقہ کار میں بعض محرمات و ممنوعات بھی داخل ہو گئی ہیں، اس لئے اس کو جائز قرار دیا جانا چاہیے، قطعاً ناقابل فہم ہے، شریعت کا مزاج یہ ہے کہ مسلمان جو کچھ کرے، اس کا مقصد بھی نیک اور بہتر ہونا چاہیے اور اس کے لئے جو بھی طریقہ کار اختیار کیا جائے وہ بھی شریعت کے دائرہ میں ہو، اگر صرف مقصد کی صالحیت کافی ہو اور اس کے لئے ہر بجا و بے جا ذرائع کا استعمال روا ہو تو یہ معلوم کتنی ہی محرمات حلال قرار پائیں گی۔

انشورنس کو ناجائز قرار دینے والوں کی دلیلیں

جو لوگ انشورنس کو ناجائز قرار دیتے ہیں، ان کی حسب ذیل دلیلیں ہیں:

لائف انشورنس کی صورت میں ایک مقررہ مدت تک پالیسی ہولڈر زندہ رہا تو جمع شدہ رقم پر خطیرہ اضافہ کے ساتھ اس کو یہ رقم واپس ملتا ہے، یہ اضافی رقم ایک ہی جنس کے لین دین کے معاملہ میں ایسا اضافہ ہے جس کے عوض کمپنی کو ایک طویل عرصہ تک رقم میں تصرف اور استعمال کی مہلت ملتی ہے، کوئی مالی عوض نہیں ملتا ہے اور اسی کا نام ”ربوا“ ہے اس طرح وہ تمام صورتیں جس میں کمپنی اضافہ کے ساتھ رقم واپس کرتی ہے۔ سود کے زمرہ میں آجاتی ہے۔

شریعت میں ”غرغر“ سے منع فرمایا گیا ہے۔ ”غرغر“ دو معنوں میں ہے ایک دھوکہ کے معنی میں، ظاہر ہے کہ انشورنس میں یہ صورت نہیں پائی جاتی بلکہ فریقین پر تمام معاملات پہلے ہی سے پوری طرح واضح و آشکارا ہوتے ہیں، دوسرا معنی ”خطر“ کا ہے۔ خطر سے مراد ہے کہ فریقین میں سے کسی کے لئے نفع ایسی شرط پر موقوف کر دیا جائے جس کا ہونا اور نہ ہونا غیر یقینی ہو ”تعلیق التملیک بالخطر“¹⁸ معاملات کی ایسی صورتیں ”قمار“ میں داخل ہیں، جس کو قرآن مجید نے ”میسر“ سے تعبیر کیا ہے¹⁹ علامہ جصاص نے بڑی وضاحت اور صراحت کے ساتھ اس حقیقت کو بیان فرمایا ہے:

”وَلَا خِلَافَ بَيْنَ أَهْلِ الْعِلْمِ فِي تَحْوِيمِ الْقِمَارِ وَأَنَّ الْمُخَاطَرَةَ مِنْ الْقِمَارِ؛ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّ الْمُخَاطَرَةَ قِمَارٌ“²⁰

ترجمہ: ”اہل علم کے درمیان اس میں اختلاف نہیں کہ قمار حرام ہے اور ”مخاطرہ“ بھی قمار ہی کی ایک صورت ہے حضرت عبداللہ ابن عباس نے فرمایا: مخاطرہ قمار ہے۔“

ظاہر ہے کہ انشورنس کی تمام ہی صورتوں میں یہ کیفیت موجود ہے ایک شخص ”لائف انشورنس“ کراتا ہے اور تیس (30) سال کی پالیسی قبول کرتا ہے، مگر 20 ہی سال میں رخصت ہو جاتا ہے، تیس سال کی تکمیل پر جو رقم اس کو ملتی وہ آج ہی مل جائے گی، گویا اس کو پوری رقم ادا کرنی ہوگی یا ادا کر کے پوری رقم اس کے نامزدوصی کو وصول کرنے کا حق ہوگا؟ یہ اس کی موت کے واقعہ پر موقوف ہے، جس کا وقت نامعلوم اور جس کا مدت مقررہ کے اندر پیش آنا اور نہ آنا غیر یقینی ہے۔ یہی حال سامان کے انشورنس کا ہے اور حادثہ پیش نہ آیا تو جمع شدہ رقم کمپنی کو مل گئی، پیش آگیا تو پالیسی خریدنے والے نے نفع حاصل کیا اور خود حادثہ کا پیش آنا اور نہ آنا غیر یقینی اور نامعلوم ہے، یہی حال ذمہ داریوں کے انشورنس کا ہے جو عام طور پر حادثات ہی سے متعلق ہوتا ہے۔

لائف انشورنس کی صورت میں پالیسی خریدنے والا اپنی موت کی صورت میں کسی شخص کو نامزد کر جاتا ہے کہ اس کو یہ رقم دیدی جائے، اکثر اوقات وہ ورثہ ہی میں سے ہوتا ہے، ویسے وہ کوئی تیسرا شخص بھی ہو سکتا ہے، ہر دو صورت میں یہ عمل اسلام کے نظام میراث کے قطعاً مغائر ہے۔ ورثہ کے حق میں وصیت نہ جائز ہے اور نہ معتبر، غیر وارث کے حق میں بھی ایک تہائی سے زیادہ کی وصیت کا یہی حکم ہے۔ اگر یہ رقم انشورنس کرائیوالے کے متروکہ کے $1/3$ کے بقدر یا اس سے کم ہو تو وصیت نافذ ہوگی اور قانوناً معتبر قرار پائے گی تاہم ورثہ کے لئے نقصان و ضرر کا باعث ہونے کی وجہ سے اندیشہ ہے کہ اب بھی اس کا یہ فعل گناہ کے زمرہ میں شمار ہو۔

انشورنس اس سے بہت سے اخلاقی امراض بھی پیدا ہوتے ہیں اور واقعات کے ذریعہ ان کا اظہار بھی ہوتا رہتا ہے، مثلاً مورث انشورنس کراچکا ہو تو ورثہ کی طرف سے اس کے قتل کی سعی، انشورنس شدہ دکانوں کو اپنے آپ آگ لگا دینا اور دھوکہ دے کر پیسے حاصل کرنے کی سعی، وغیرہ۔ ان کے سدباب کے لئے بھی اس کو ممنوع و ناجائز قرار دیا جانا ہی مناسب محسوس ہوتا ہے۔

ناقدین کے دلائل کا تحقیقی جائزہ

ان میں آخری دلیل ایسی ہے کہ بجائے خود کسی معاملہ کی حرمت کو ثابت کرنے کے لئے ناکافی ہے، اس کا تعلق فقہ کے اصول ”سد ذریعہ“ سے ہے، ہر ”ذریعہ“ ممنوع نہیں ہوتا ورنہ محرمات کی فہرست اتنی طویل ہو جائے گی کہ انسانی زندگی دو بھر ہو جائے گی۔ بلکہ ایسا ذریعہ ممنوع ہوتا ہے جو اکثر یا کم سے کم بہ کثرت حرام کا ذریعہ بنتا ہو، جو بات اتفاقاً گاہے گاہے کسی ممنوع اور حرام بات کا ذریعہ بن جاتی ہو، وہ فقہاء کے ہاں مباح و جائز ہے۔ انشورنس اسی درجہ میں برائیوں کا باعث بنتا ہے، جو طابع غیر سلیم ہوں اور جو دل خدا کے خوف سے بالکل ہی خالی ہوں، وہ انشورنس کرانے والے مورث ہی کو نہیں، کثیر جائیداد کے مالک مورث کو بھی جلد سے جلد راہ سے ہٹانے کی کوشش کر سکتے ہیں، اور بعض بد بخت اور بد طبیعت ایسا کرتے بھی ہیں، تو ظاہر ہے کہ اتنی کی بات انشورنس کی حرمت کو ثابت نہیں کر سکتی۔

جہاں تک بعد وفات نامزدگی کی بات ہے تو یہ خرابی غالباً صرف لائف انشورنس کے ساتھ مخصوص ہے، انشورنس کی دوسری صورتوں سے متعلق نہیں اگر اس کی یہ صورت کر لی جائے کہ علیحدہ طور پر کوئی کاغذ بنادے اور اس میں لکھ دے کہ انشورنس کی یہ رقم اس کے تمام ورثہ کے لئے حصہ شرعی کے مطابق تقسیم ہو، البتہ نامزد شخص تمام ورثہ کی طرف سے کمپنی کی طرف سے وصولی کا وکیل ہوگا تو ممکن

ہے کہ اس مفسدہ سے بچا جاسکے۔ لیکن اصل مسئلہ ”ربو“ اور ”قمار“ کا ہے۔ انشورنس کو موجودہ صورت میں جائز قرار دینے والے علماء کا نقطہ نظر یہ ہے کہ انشورنس کا مقصد ”تعاون باہمی“ اور خطرات سے تحفظ ہے نہ کہ نفع کمانا، اس لئے یہ سود کے زمرہ میں نہیں آتا، جس میں سود خور کا مقصد ہی نفع کا حصول ہوتا ہے۔ مگر یہ تاویل و توجیہ دو وجہوں سے غلط ہے؛ اول یہ کہ اس کو تعاون باہمی قرار دینا صحیح نہیں، یہ انشورنس ہے ہی کمرشل بنیادوں پر، اگر واقعی تعاون مقصود ہوتا تو ماہانہ خطیر قسط نہ لی جاتی بلکہ ہر رکن پر کسی نقصان کی صورت اتنا ہی بوجھ ڈالا جاتا جو ضروری ہوتا اور جیسا کہ مذکور ہو چکا ہے کہ اس طرح کے تعاون باہم پر مبنی انشورنس کی صورتیں بھی ہیں جو بالکل جداگانہ ہیں اور علماء کی رائے بھی ان کے متعلق جواز ہی کی ہے۔ دوسرے کسی معاملہ پر محض صاحب معاملہ کے مقصد و منشاء کے تحت حکم نہیں لگایا جاتا، قصد و ارادہ کا اعتبار وہاں ہوتا ہے جہاں عمل بجائے خود نہ مطلوب ہونہ ممنوع، جو معاملہ اپنی عملی کیفیت و صورت کے اعتبار سے ناجائز ہو وہ اس وجہ سے جائز نہیں ہو سکتا کہ صاحب معاملہ کا مقصد درست ہے، صورت حال یہ ہے کہ پالیسی لینے والے اور کمپنی کے درمیان لین دین کا معاملہ ہو رہا ہے، جو عقد معاوضہ کہلاتا ہے، ایک طرف سے جمع شدہ رقم کم ہے دوسری طرف سے دی جانے والی رقم زیادہ ہے، دونوں کی جنس ایک ہے، عقد معاوضہ میں ایک ہی جنس کی چیز کا باہمی تبادلہ ہو اور ایک طرف سے زیادہ اور دوسری طرف سے کم ہو، یہی سود ہے، اس لئے اس کو سود نہ قرار دینا کسی طرح صحیح نظر نہیں آتا۔

انشورنس کے مجوزین کا خیال ہے کہ اس میں ”قمار“ کی وہ صورت نہیں پائی جاتی، جس سے شریعت نے منع کیا ہے، اس سلسلے میں عام طور پر دو باتیں کہی جاتی ہیں: ایک یہ کہ ”قمار“ سے ممانعت کا مقصود لہو و لعب اور لالچنی میں اشتغال سے روکنا ہے، انشورنس میں یہ بات نہیں پائی جاتی، بلکہ انسان سمجھداری سے کام لے کر مشکل اوقات میں اپنے بچاؤ کے لئے اس اسکیم میں شامل ہوتا ہے۔ مگر یہ بات صحیح نظر نہیں آتی، اول تو یہی صحیح نہیں ہے کہ ”قمار“ سے منع کرنے کا مقصد صرف لہو و لعب سے اجتناب کی تلقین ہے، زمانہ جاہلیت میں خرید و فروخت کے مختلف ایسے طریقوں سے منع فرمایا گیا جس میں ”قمار“ کی صورت پائی جاتی تھی، حالانکہ ان کا مقصد محض لہو و لعب نہ تھا، بلکہ وہ خرید و فروخت کے باضابطہ مروج و معروف طریقے تھے۔ دوسرے اگر اس کو مان بھی لیا جائے تو اس کی حیثیت محض ایک حکمت و مصلحت کی ہوگی اور احکام کی بنیاد حکمتوں پر نہیں ہوتی ”علت“ پر ہوتی ہے۔ ”علت“ وہی ”قمار“ کی صورت کا پایا جانا ہے جو انشورنس میں بھی پائی جا رہی ہے۔

دوسری بات یہ کہی جاتی ہے کہ گو انشورنس میں ”غرغر“ پایا جاتا ہے مگر چوں کہ یہ نزاع کا باعث نہیں بنتا، اس لئے شرعاً اس کو گوارا کیا جاسکتا ہے یہ دلیل بھی سقم سے خالی نہیں، فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مطلق ”غرغر“ کو کسی معامہ کے فاسد و نادرست ہونے کی اساس قرار دیتے تھے، اسی لئے فقہاء نے جہاں کہیں ”غرغر“ کی تعریف کی ہے، وہاں صرف ابہام و خطر کو اسال بنایا ہے۔ نزاع و اختلاف کو مدار نہیں ٹھہرایا ہے۔ ملک العلماء علامہ کاسانی کا بیان ہے:

”الَّذِي اسْتَوَى فِيهِ طَرْفُ الْوُجُودِ وَالْعَدَمِ“²¹

ترجمہ: ”جس میں وجود اور عدم کا پہلو برابر ہو۔“

فقہ مالکی کی معروف کتاب ”مواہب الجلیل“ میں ہے:

”مَا لَا يَدْرِي أَيُّهُمَ أَمَّ لَا“²²

ترجمہ: ”معلوم نہ ہو کہ وہ دیا گیا ہے یا نہیں؟“

امام قرانی لکھتے ہیں:

”مَا لَا يَدْرِي أَيُّهُمَ أَمَّ لَا“²³

ترجمہ: ”معلوم نہ ہو کہ یہ حاصل ہو گا بھی یا نہیں؟“

اس لئے ”غرغر“ بہ معنی ”خطر“ کی جو کیفیت انشورنس میں پائی جاتی ہے وہ ”تقار“ کا مصداق ہے

اور بہ صورت موجود اس کو جائز قرار دینا درست نظر نہیں آتا۔²⁴

عصر حاضر میں انشورنس کی تنظیم جدید

انشورنس کی ایک صورت ذمہ داری اور مسؤلیت کے انشورنس کی ہے۔ ”الف“ کی گاڑی نے ”ب“ کو ٹکر دی اور وہ ہلاک ہو گیا یا اس کو جسمانی نقصان پہنچا تو قانون ”الف“ کو ذمہ دار قرار دیتا ہے کہ وہ اس سلسلہ میں ایک خطیر رقم پر مشتمل جرمانہ ادا کرے، اسلامی نقطہ نظر سے اس طرح کے حادثات ”قتل خطا“ کے زمرہ میں آتے ہیں، جن میں ”خون بہا“ واجب ہوتا ہے، شریعت اسلامی میں بھی ”خون بہا“ کی خاصی مالیت ہوتی ہے۔ پھر اس طرح کے حادثات دولت مندوں کی طرح غریبوں کو بھی پیش آسکتے ہیں، ان کے لئے یہ ادائیگی کس قدر گراں بار ثابت ہوگی؟ وہ محتاج اظہار نہیں۔

اسلام نے اس صورت حال کے لئے ایک خاص نظام ”معاقل“ کا رکھا ہے ”عقل“ فقہ کی اصطلاح میں دیت کو کہتے ہیں، اس نظام کے تحت ایسی صورت پیش آجانے پر قاتل کے ساتھ خون بہا ادا کرنے

میں اس کا خاندان بھی شریک ہوتا ہے اور سب مل کر خون بہا ادا کرتے ہیں۔ یہ خون بہا اصل میں تو قاتل کے خاندان کو ادا کرنا ہے لیکن حضرت عمر فاروقؓ نے ایک پیشہ سے متعلق افراد کو دیت کی ادائیگی میں باہم شریک رکھا، چنانچہ اگر ”اہل دیوان“ میں سے کسی سے جرم کا ارتکاب ہوا تو ”اہل دیوان“ کو ان کی دیت میں تعاون کا ذمہ دار قرار دیا ہے۔²⁵ فقہاء حنفیہ نے حضرت عمرؓ کے اس عمل کو پیش نظر رکھ کر ہم پیشہ افراد کو دیت کی ادائیگی میں ایک دوسرے کا معاون و مددگار رکھا ہے۔ علامہ مرغینانی کا بیان ہے:

”لو كان اليوم قوم تناصرهم بالحرف فعاقلتهم أهل الحرفة“²⁶

ترجمہ: ”آج اگر کچھ لوگ ایسے ہوں کہ پیشہ ورانہ یکسانیت کی بناء پر ایک دوسرے کی مدد کیا کرتے ہوں تو اہل پیشہ ہی ان کے ”عاقلہ“ ہوں گے۔“

اسی طرح فقہاء ”اہل ارزاق“ کو بھی دیت کی ادائیگی میں ایک دوسرے کا شریک قرار دیتے ہیں۔²⁷ ”بیت المال“ کے رجسٹر میں جن لوگوں کا فوجیوں کی حیثیت سے اندراج ہوتا تھا اور ان کو وظیفہ دیا جاتا تھا وہ ”اہل دیوان“ کہلاتے تھے، جو لوگ اپنی غربت اور افلاس کی وجہ سے وظیفہ پاتے تھے اور اس لحاظ سے بیت المال میں ان کا نام رجسٹرڈ تھا وہ ”اصحاب ارزاق“ کہے جاتے تھے۔ ابتدائی ادوار میں ملک میں عوامی معاملات عام طور پر عوام بہ طور خود انجام دیتے تھے، اس لئے ملازمتوں اور خدمتوں کا دائرہ محدود تھا، اب معاشی اعتبار سے سینکڑوں شعبے ہیں جن میں ہر ایک ”ہم پیشہ لوگوں کی ایک مستقل اکائی“ کا درجہ رکھتا ہے۔

ٹریفک حادثات اور اس طرح کے ”انشورنس“ کی روح بھی وہی ہے جو ”نظام معاقل“ کی ہے،

نظام

معاقل کی صورت میں بھی ”دیت“ یکبارگی نہیں لی جاتی بلکہ تین قسطوں میں ہر شخص کے ذمہ عائد رقم وصول کی جاتی ہے البتہ حادثہ پیش آنے کے بعد یہ رقم لی جاتی ہے۔ موجودہ انشورنس نظام میں ایسا نہیں ہے، رقم قسط واری جاتی ہے اور پہلے سے رقم حاصل کی جاتی ہے، یہ یوں بھی ضروری ہے کہ پورے ملک یا ریاستوں کے ڈیپارٹمنٹوں کی ایک اکائی تسلیم کی جائے تو شاید ہی کوئی دن ہو گا جس میں دو چار حادثات پیش نہ آتے ہوں، ایسی صورت میں یہی بات ممکن ہو سکتی ہے کہ حادثات کی اوسط شرح کو سامنے رکھتے ہوئے پیشہ متعلقہ کے تمام کارکنوں سے قسط وصول کی جاتی رہے۔ اس لئے فقہاء کا خیال ہے کہ انشورنس کی اس صورت کو ہر اس سماج میں جائز ہونا چاہیے، جہاں ایسے مواقع کے لئے ”نظام معاقل“ عملی طور پر

موجود نہ ہو۔ انشورنس کی اس صورت میں تو ”سود“ کا سوال ہی نہیں کہ بیمہ کرانے والے کو حادثہ پیش نہ آنے کی صورت کوئی رقم واپس نہیں ملتی، البتہ ایک گونہ ”خطر“ موجود ہے کہ اگر وہ حادثہ سے محفوظ رہا تو اس کو اپنی جمع شدہ رقم سے ہاتھ دھونا ہوگا، حادثہ پیش آیا تو اس سے بڑھ کہ اعانت حاصل ہوئی، مگر غور کیا جائے تو اسی درجہ کا ”خطر“ خود ”معامل“ کے نظام میں بھی ہے۔ ”ولاء موالات“ میں بھی ہے اور بعض اور معاملات میں بھی ہے۔ اصل یہ ہے کہ انشورنس کی صورت از قبیلہ تبرعات ہے، بیمہ کی قسط ادا کرنے والا اپنے ہم پیشہ لوگوں کے لئے تبرع پیش کرتا ہے اور بھی وہ خود اس میں مبتلا ہو جائے تو اپنے ہم پیشہ لوگوں کی مدد سے فائدہ اٹھاتا ہے اس لئے بیمہ کی اس شکل کو، جس میں بیمہ کرانے والا محض ابتلاء کے وقت اپنا بچاؤ چاہتا ہے۔ بیمہ کی ان صورتوں پر قیاس نہ کیا جانا چاہیے جہاں بیمہ کا مقصد کمرشل ہوتا ہے۔

خلاصہ کلام

اس تحقیقی مقالہ کا خلاصہ یہ ہے کہ معاملات کی اکثر صورتیں جو بہ تدریج رواج پاتی ہیں دراصل سماجی ضروریات کے تحت وجود میں آتی ہیں اور عام طور پر ان کا سررشتہ واقعات اور عملی دقتوں سے قائم ہوتا ہے۔ انشورنس بھی ایسے ہی معاملات میں ہے۔ سرمایہ کی افزائش کے بنیادی طور پر تین طریقے ہیں: زراعت، تجارت اور صنعت۔ زراعت اور کاشتکاری میں خطرات کم ہیں۔ تجارت بعض دفعہ پرخطر ہو جاتی ہے، بالخصوص اس وقت جب حمل و نقل کے ذرائع محدود ہوں۔

قدیم زمانہ میں زیادہ تر بحری تاجروں کو اس قسم کے خطرات پیش آیا کرتے تھے۔ چنانچہ صدی، ڈیڑھ صدی پہلے بحری تجارت ہی نے ”انشورنس“ کی راہ دکھائی، جس کا علامہ شامی نے ”سوکرہ“ کے نام سے ذکر کیا ہے۔ صنعت میں نقصان کا اندیشہ زیادہ ہے۔ بعض اوقات یہ خسارہ اس درجہ کا ہوتا ہے کہ کل کارخانہ دار، آج کا گداگر بن جائے بلکہ وہ قلب و ذہن کے اس سکون و فراغ سے بھی محروم ہو جائے جو قرض خواہوں اور سرمایہ کاری کرنے والوں کے تقاضوں سے آزاد بھکاریوں کو حاصل رہتا ہے۔ صنعت نے جوں جوں ترقی کی، کارخانوں کی چمبیوں نے جیسے جیسے سر اٹھائے اور بڑی بڑی مشینوں نے جس رفتار سے اپنے آہنی ہاتھ پاؤں دراز کئے، معاشی اور جانی خطرات بھی اسی تناسب سے بڑھتے گئے اور اب آج کی صنعتی دنیا کے لئے ان خطرات سے تحفظ، اور پیش آجائیں تو ان کی تلافی کا سروسامان ایک ایسی ضرورت ہے جس کو کسی طور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ ”انشورنس“ بنیادی طور پر اسی ضرورت کی تکمیل ہے۔

بد قسمتی سے ادھر دو تین صدیوں سے مسلمانوں کے یہاں علم و تحقیق کا فقدان، ایجاد و اکتشاف کی مہم جوئی سے تغافل اور قوت فکر میں انحطاط کے نتیجے میں زندگی کے ہر میدان میں مجاہدہ و اجتہاد اور اختراع و استنباط کی بجائے انہوں نے دوسری اقوام کی تقلید اور قدم بہ قدم ان کی پیروی ہی میں عافیت سمجھ رکھی ہے اور عملاً زندگی کے تمام نظام (SYSTEM) پر ان لوگوں کی گرفت ہے جن کے یہاں خود کو کلیسا اور عبادت گاہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں ہے اور جنہوں نے سود، قمار، غریبوں کے استحصال اور ایثار کے بجائے خود غرضی کو پورے معاشی نظام کی اساس و بنیاد بنا کر رکھ دیا ہے۔

انشورنس“ جو بنیادی طور پر ایک صالح مقصد کے تحت اور ایک واقعی ضرورت کی تکمیل کے لئے وجود میں آیا تھا، اس کی بناء اور نشوونما انہیں ہاتھوں اور دماغوں کے ذریعہ عمل میں آئی اور اس میں بعض ایسے مفاسد داخل ہو گئے جس نے اکثر علماء کو اس نتیجے پر پہنچایا کہ وہ حرام ہے، لیکن کچھ اہل علم جواں کے جواز کے قائل ہیں، وہ بھی اس کو مشکوک اور اسلام کی روح اور شریعت کے بنیادی مزاج و مذاق سے دور سمجھتے ہیں۔

حواشی و حوالہ جات

- 1 غزنی، ابوالحارث محمد صدیقی بن احمد بن محمد، موسوعۃ القواعد الفقہیہ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت، 1424ھ، 2003ء، ج 1، ص 79۔
- 2 السجستانی، ابوداؤد سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، المکتبۃ العصریہ، صید، بیروت، بلاسن، باب فی بیع الولاء، ج 3، ص 127۔
- 3 لجنۃ علماء برنسانسہ نظام الدین البیہقی، الفتاویٰ الہندیہ، دارالفکر، بیروت، 1310ھ، ج 5، ص 32۔
- 4 ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز، ردالمحتار علی الدر المختار، ج 3، ص 345۔
- 5 ایضاً۔
- 6 فتاویٰ ہندیہ، ج 3، ص 209۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز، ردالمحتار علی الدر المختار، ج 4، ص 246۔
- 7 السجستانی، ابوداؤد سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، باب فی الرجل یسلم علی یدی الرجل، ج 3، ص 127، رقم الحدیث: 2918۔
- 8 ملا علی قاری، ابوالحسن نور الدین علی بن محمد، مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح، دارالفکر، بیروت، 1422ھ، 2002ء، ج 3، ص 396۔
- 9 فتاویٰ ہندیہ، کتاب الولاء، ج 5، ص 65۔
- 10 المرغینانی، ابوالحسن برہان الدین، علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل، الہدایہ فی شرح بدایۃ المتبتدی، داراحیاء التراث العربی، بیروت، بلاسن، فصل فی الولاء الموالاتہ، ج 3، ص 270۔
- 11 تبریزی، ابو عبد اللہ ولی الدین، محمد بن عبد اللہ، مشکاۃ المصابیح، دارالفکر، بیروت، 1985ء، باب الفرائض، رقم الحدیث: 3064۔
- 12 المرغینانی، ابوالحسن برہان الدین، علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل، الہدایہ فی شرح بدایۃ المتبتدی، ج 3، ص 329۔
- 13 فتاویٰ ہندیہ، ج 3، ص 253۔

- 14 حوالہ سابق
- 15 ابن قدامہ، ابو محمد موفق الدین عبداللہ بن احمد، المغنی، مکتبۃ القاہرہ، بیروت، 1388ھ، 1968ء، ج5، ص335۔ ابن العربی، محمد بن عبداللہ ابوبکر، احکام القرآن، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1424ھ، 2003ء، ج3، ص1085۔
- 16 شربنی، شمس الدین محمد بن احمد، مغنی المحتاج الی معرفۃ معانی الفاظ المنہاج، دارالکتب العلمیہ، 1415ھ، 1994ء، ج2، ص200۔
- 17 فتاویٰ ہندیہ، ج3، ص209۔ ابن عابدین، محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز، رد المحتار علی الدر المختار، ج4، ص246۔
- 18 سرخسی، محمد بن احمد بن ابی سہل، المبسوط، دارالمعرفۃ، بیروت، 1414ھ، 1993ء، باب الرقبی، ج12، ص89۔
- 19 سورۃ المائدہ: 9۔
- 20 جصاص، احمد بن علی ابوبکر الرازی، احکام القرآن، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1415ھ، 1994ء، باب تحریم المیسر، ج1، ص398۔
- 21 کاسانی، علاء الدین ابوبکر بن مسعود بن احمد، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1406ھ، 1986ء، فصل فی شرائط الصحیۃ فی المبیوع، ج5، ص163۔
- 22 الخطاب الرعینی، ابو عبداللہ محمد بن محمد بن عبدالرحمن، مواہب الجلیل فی شرح مختصر خلیل، دارالفکر، بیروت، 1412ھ، 1992ء، ج4، ص368۔
- 23 قرانی، ابو العباس شہاب الدین احمد بن ادیس، الفروق، عالم الکتب، بیروت، بلاسن، باب الفرق بین قاعدۃ الجہول و قاعدۃ الفرر، ج3، ص271۔
- 24 سیوطی، جلال الدین، عبدالرحمن بن ابی بکر، الأشباہ والنظائر، دارالکتب العلمیہ، بیروت، 1411ھ، 1990ء، ص179۔
- 25 عسقلانی، ابن حجر، ابو الفضل احمد بن علی بن محمد، الدرر الیہ فی تخریج احادیث الہدایۃ، دارالمعرفۃ، بیروت، بلاسن، ج4، ص669۔
- 26 المرغینانی، ابو الحسن برہان الدین، علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل، الہدایۃ فی شرح بدایۃ المتبندی، کتاب المعامل، باب والعاقلة اهل الدیوان ان کان القاتل من اهل، ج4، ص506۔
- 27 ایضاً۔